تاریخ اسلام
خلافتِ راشدہ و بنی اُمیّہ

(قسط ۲)

از جناب عبد الرؤف صاحب ایم اے

ایک مصنف کے سامنے تحقیق و تدقیق کے سلسلے میں بسا اوقات مختلف نقطہائے نظر ہوتے ہیں، ایسی صورت حال میں وہ علمی دلائل اور منطقی اصول سے کام لیتے ہوئے کسی ایک قول اور نظریہ کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے جو اس کی نظر میں زیادہ قوی اور راجح ہوتا ہے۔ تاہم مرجوح قول کو بھی منظر عام پر لانا چاہیئے تاکہ قارئین پر واضح ہو سکے کہ مصنف نے اپنی تصنیف میں کسی قسم کے تساہل و تسامح کو راہ نہیں دی ہے۔ بہرحال اس بات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہمیں عرض کرنا یہ ہے کہ فاضل مصنف پروفیسر خورشید احمد فارق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھریلو حالات کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ "جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان کے گھر میں نہ کوئی بچہ جنتی کنیز (سُرّیہ) تھی نہ ام ولد[1]۔ ان کے پاس

[1] وہ لونڈی جس نے اپنے مالک کے نطفے سے کوئی اولاد جنی ہو۔ یہ بعد وفاتِ مالک خود بخود آزاد ہو جاتی ہے۔

بیک وقت دو سے زیادہ بیویاں نہیں رہیں۔ بظاہر اس جنسی قناعت کی وجہ جبکہ اقتصادی اعتبار سے وہ خوب مرفہ الحال تھے اور معاشرے میں کثرت ازدواج کارواج تھا ان کی کمزور صحت معلوم ہوتی ہے۔" (ص ۱) سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ کے ضمن میں "جنسی قناعت" کی اصطلاح بقول خود اس تناظر میں ارقام فرمائی ہے کہ رسول اللہؐ نے اٹھارہ عقد کیے جن میں سے چھ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے۔ وفات کے وقت ان کی نو بیویاں زندہ تھیں اور ایک سُریہ۔ عمر فاروق رضؓ نے آٹھ عقد کیے ان کی متعدد سُراری بھی تھیں۔ عثمان غنی رضؓ نے نو عقد کیے۔ ان کی ایک سُریہ بھی تھی۔ علی حیدر رضؓ نے آٹھ عقد کیے۔ اُن کی سراری کی تعداد سترہ بتائی گئی ہے۔ بچے تیس سے اوپر تھے۔ رسول اللہؐ اور صف اول کے صحابہ کے مقابلے میں ابوبکر صدیق رضؓ نے کل چار عقد کیے۔ ہجرت کے بعد صرف دو۔ اُن کی کوئی سُریہ بھی نہیں تھی اور بچے معدودے چند۔ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر ان کے لئے "جنسی قناعت" کا لفظ استعمال کیا ہے۔[1]" لیکن اس پس منظر کو پڑھ کر کسی بھی قاری کے ذہن پر کیا یہ ردِّ عمل ہونا ممکن نہیں ہے کہ خدانکردہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے علاوہ صفِ اول کے تمام صحابۂ کرامؓ اور نعوذ باللہ من ذالک نبی اکرمؐ جنسی قناعت پر قانع نہ تھے۔ مستشرقین نے اس بات کو قدرے زیادہ رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور فاضل پروفیسر صاحب نے جنسی قناعت کے سانچے میں ڈھال کر ان کی پیروی کی ہے۔ پروفیسر موصوف نے سُریہ کا ترجمہ جابجا

---

[1] ملاحظہ ہو پروفیسر موصوف کا وہ مضمون جو زیر تبصرہ تصنیف پر کسی صاحب کی طرف سے پیش کردہ اشکالات کے جواب میں بعنوان "معروضات" تحریر فرمایا مشمولہ ماہنامہ برہان دہلی بابت فروری ۱۹۹۲ء

"چھیتی کنیز" کیا ہے مگر ترجمے میں صرف "کنیزوں" (سراری) پر اکتفا کیا گیا ہے یعنی اس موقع پر "کنیز" چھیتی کی صفت سے محروم ہے جس کی وجہ غالباً یہ ہوسکتی ہے کہ یہاں لفظ "کنیزوں" کے پس منظر میں عام معاشرہ ہے نہ کہ صحابۂ کرامؓ، فرماتے ہیں: "معاشرے میں بے قید جنسی ملاپ پر عمل تھا۔ ہر شخص چار بیویاں اور جتنی چاہے کنیزیں رکھ سکتا تھا۔" (ص ۶۰۲) اِس فقرہ سے متبادر ہوتا ہے کہ یہاں لفظ "کنیزیں" بلا تکلف لکھ دیا گیا ہے، ہم موصوف کی حسنِ نیت پر شبہ کیے بغیر عرض کرنا چاہیں گے کہ صحابۂ کرامؓ کے سلسلے میں کنیز کے ساتھ چھیتی کا سابقہ عمداً ثبت فرمایا ہے۔ کیونکہ انھیں سریہ کے لئے چھیتی کا لفظ مناسب معلوم ہوا۔[1]

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں عراق وشام وغیرہ کی فتوحات کے بعد اسلامی مملکت کی آمدنی میں اس تیزی سے اضافہ ہوا کہ اس کے صحیح مصرف کے لئے ایک علیحدہ محکمہ "دیوانِ عطا" کے نام سے قائم کرنا پڑا جس کے تحت صحابۂ کرامؓ کی سالانہ تنخواہ اور راشن وغیرہ مقرر کر دیا گیا۔ محترم پروفیسر صاحب نے اس دیوان کے درج ذیل تین مضر نتائج تبلائے ہیں:

(۱) اِس نے مسلمانوں کو طبقوں میں بانٹ دیا جس سے اونچ نیچ کا میلان بڑھا اور معاشرے کو مختلف حیثیتوں سے نقصان پہنچا (۲) دیوانِ عطا کے ماتحت جو راشن ملتا اس کی مقدار فی کس خوراک کے اوسط سے بہت زیادہ تھی اس لئے ..... گھر کے کوٹھوں میں غلے کے انبار لگے رہتے جہاں بکثرت چوہے پیدا

---

[1] ملاحظہ ہو پروفیسر صاحب موصوف کا وہ مضمون جو زیرِ تبصرہ تصنیف پر کسی صاحب کی طرف سے پیش کردہ اشکالات کے جواب میں بعنوان "اعتراضات کے جواب" تحریر فرمایا ہے مشمولہ ماہنامہ برہان دہلی بابت فروری ۱۹۸۲ء ص ۹۵/۱۳۱۔

ہوتے اور اُن کے ذریعہ طاعون کی وبا پھیل جاتی......" (۳) دیوانِ عطاء کے قیام سے عام طور پر لوگوں میں کنبہ بڑھانے کا زبردست داعیہ پیدا ہو گیا کیونکہ جتنا بڑا ہوتا تنخواہ اور راشن اتنا ہی زیادہ ملتا، اس سے معاشرے میں وہ خرابیاں پیدا ہونے لگیں جو کثرتِ ازدواج اور فراوانیٔ اولاد سے پیدا ہوتی ہیں (ص۳۱)

دیوان عطار کے قیام سے موصوف کے اخذ کردہ اِن نتائج سے شاید ہی کسی کو اتفاق ہو۔ کیونکہ نبی اکرمؐ ایک بہترین ماہرِ نفسیات بھی تھے اس لئے آپؐ نے دنیا سے پردہ فرمانے سے پیشتر صحابہ کرامؓ کو اسلام کے معاشی نظام سے بھی پوری طرح واقف کرا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے دولت کی گردش کو عام کرنے اور اسے افواجِ اسلامی، عمالانِ ملکی اور صرف دولت مندوں کے درمیان ہی مرتکز نہ ہونے دینے یعنی معاشی تفاوت و امتیاز اور طبقاتی کشمکش کا سدباب کرنے کے لئے ہی دیوان عطار قائم کیا اور تنخواہوں کی تقسیم کی ترتیب آنحضرتؐ کے قرابت داروں سے شروع کی گئی۔ بعد ازاں جن لوگوں کے خاندان آپؐ سے جتنے دور ہوتے گئے اسی ترتیب سے ان کے نام داخل رجسٹر کیے گئے، چونکہ خود حضرت عمرؓ کا نسب رسول مقبولؐ سے اخیر میں جا کر ملتا ہے لہٰذا اُن کا اسم گرامی بھی حضرات ختنین (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) کے بعد درج رجسٹر کیا گیا۔ علاوہ بریں جن حضرات کی جو تنخواہیں مقرر کی گئیں ان کے غلاموں کو بھی وہی تنخواہ اور راتب و روزینہ دیا جاتا تھا بالفاظ دیگر غلاموں کی وہی تنخواہیں مقرر ہوئیں جو اُن کے آقاؤں کی تھیں[۱]۔ یہ تھی دولت کی وہ منصفانہ تقسیم جس کے تحت من و تو اور آقا و غلام کی تمیز کو ختم کر کے طبقاتی جنگ اور اونچ نیچ کے میلان کو اذہان و قلوب سے یکسر محو کر دیا گیا تھا۔ اس میں مسلم و

---

[۱] الفاروق حصہ دوم ص ۷۷ - ۷۶ -

غیر مسلم غلاموں وغیرہ کی بھی کوئی قید نہ تھی مگر فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ "تنخواہ کے مستحق صرف مسلمان تھے لیکن راشن غلاموں کو بھی دیا جاتا تھا" (ص ۱۲۷) یعنی صحابۂ کرامؓ کے یہاں غلام صرف غیر مسلم ہی ہوا کرتے تھے۔ بہرحال جس حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے درجہ بندی کا جو معیار قائم کیا گیا اور جس اصول کے تحت گریڈ بنائے گئے وہ تمام صحابۂ کرامؓ کے نزدیک بھی حد درجہ معتدل اور مسلمہ طور پر قابلِ قبول تھے۔ البتہ حضرت صفوانؓ بن امیہ، حرثؓ بن ہشام اور سہیلؓ بن عمرو کی تنخواہیں چونکہ اوروں سے کم تھیں لہٰذا انھوں نے احتجاجاً کہا۔ "واللہ ہم اپنے سے کسی کو افضل نہیں دیکھتے ہماری تنخواہیں اور لوگوں سے کیوں کم مقرر کی گئی ہیں؟" تو فاروق اعظمؓ نے جواباً فرمایا "میں نے سابق الاسلام ہونے کے لحاظ سے تنخواہیں مقرر کی ہیں نہ کہ افضلیت و اولیت کے خیال سے۔" یہ سن کر صفوانؓ نے کہا "ہاں یہ بات البتہ قابلِ پذیرائی ہے اور مقررہ وظیفہ قبول کر کے تینوں حضرات ملک شام چلے گئے اور برابر جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ وہیں کسی معرکے میں شہید ہو گئے[۱]۔ اس حکیمانہ درجہ بندی کو سامنے رکھ کر بہ امعان نظر دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ اس میں طبقاتی امتیاز پیدا ہونے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ یعنی اولاً سابقون الاولون، دوئم شرکائے جنگ بدر، سوئم شرکائے معرکۂ احد، چہارم مہاجرین قبل از فتح مکہ، پنجم فتح مکہ پر ایمان لانے والے، ششم شرکائے قادسیہ و یرموک، ہفتم مجاہدین بعد از قادسیہ و یرموک اور ہشتم بلا امتیازِ مراتب[۲]۔

---

[۱] تاریخ ابن خلدون جلد اول ص ۳۶۲ تا ۳۶۵ (ادارہ درس قرآن)

[۲] ایضاً نیز الفاروق حصہ دوم صفحات ۷۷۔ ۷۷۶۔

اندازہ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خط پیمانہ

محترم پروفیسر صاحب اگر اُن جہات کا بھی اجمالاً ذکر فرما دیتے جس سے معاشرہ کو اس نظام کے تحت مختلف حیثیتوں سے نقصان پہونچا تو بہتر تھا۔ کسی نظام و معتقد سے اختلاف رائے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس کی خوبیوں کے سلسلے میں یکسر منفی رویہ اختیار کیا جائے اور اس کے کسی رویہ کا احیاناً بھی اعتراف نہ کیا جائے جو حق و انصاف کے سراسر منافی ہے جبکہ تاریخ امانت کی ادائیگی اور اعتراف حقیقت کا نام ہے نہ کہ معروضیت کے نام پر انکار حقیقت کا۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسر کی باہمی شکر رنجی کو آڑ بنا کر فاضل مصنف فرماتے ہیں "یہ اس وقت کے عرب معاشرے میں کوئی غیر معمولی سانحہ نہ تھا۔ عرب مسلمان ضرور ہو گئے تھے لیکن ان کی فطرت نہیں بدلی تھی، ان کی بہت سی عادتیں، محسوسات اور سوچنے کے طریقے اب بھی ویسے ہی تھے جیسے اسلام سے پہلے ...... صحابہ فرشتے نہ تھے نہ معصوم من الخطاء ہستیاں جیسا کہ بعد میں مصلحت آمیز عقیدت کے جوش میں انھیں پیش کیا گیا......

(ص ۱۸۲) اسی پیرایۂ بیان میں صنا۲۱ پر حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت کے محاربات کی پس بینی میں جہاد اور صحابہؓ کی ذہنی تربیت کو ایک بار پھر ہدف بناتے ہوئے رقمطراز ہیں: "عثمان غنیؓ کے قتل اور علی حیدرؓ کی خلافت کے ساتھ اسلامی تاریخ کا ایک نیا موڑ شروع ہوتا ہے، اب تک مسلمان عربوں کی تلوار سیاسی بالادستی اور اقتصادی منافع کے لئے صرف غیر مسلموں پر ہی اٹھی تھی، اب اسی مقصد کے لئے وہ خود باہم دست و گریباں ہو گئے۔ صلح و آشتی کی راہ پر چلنے کے لئے ان کی ذہنی تربیت ہی نہیں ہوئی تھی......" مذکورہ دونوں اقتباسات سے یہ امر

واضح طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یعنی خدا نکردہ رسول اکرمؐ اپنی دعوت وتبلیغ اور طریق کار سے نہ تو صحابہؓ کی فطرت ہی مزین و منقلب کر سکے اور نہ اپنے تیئیس سالہ دورِ نبوت میں ان کی ذہنی تربیت ہی فرما سکے ، جبکہ ہر انصاف پسند مورخ اس بات کا معترف ہے کہ سرورِ کائناتؐ نے نہ صرف یہ کہ صحابہ کرامؓ کی اعلیٰ ترین حد تک ذہنی تربیت ہی فرمائی بلکہ ان کی فطرت کو یکسر منقلب و مرتفع فرماتے ہوئے انھیں زہد وورع کا عادی ، عفت و امانت کا پیکر نیز ایثار وقربانی اور خوفِ خدا کا خوگر بھی بنا دیا۔ چنانچہ اُس معاشرہ کا ہر فرد اپنے ایمان وعقیدہ ، اعمال و اخلاق ، تربیت و تہذیب ، نفس کی آراستگی ، سیرت کی بلندی اور کمال و اعتدال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مستقل معجزہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اسلام کے قالب میں ایسا ڈھال دیا تھا کہ ان میں جسم کے علاوہ کسی چیز میں بھی اپنے ماضی سے مماثلت باقی نہیں تھی۔ نہ میلانات ورجحانات میں، نہ ذہنیت وطرزِ فکر میں، نہ خواہشات میں .... (ناظرین یہاں پروفیسر موصوف کی مذکورہ خط کشیدہ عبارت کو دوبارہ پڑھنے کی زحمت فرمائیں) .... غرضیکہ .... یہ حضرات دین ودنیا کی جامعیت کا نمونۂ کامل تھے[1]" یہ ان کی ذہنی تربیت اور فطرت کی تصعید و ارتقاع کا ہی نتیجہ تھا کہ ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لئے پیش کر دیا۔ شراب کی حرمت کا نزول ہوا ہے تو چھلکتے ہوئے جام ہتھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ، ان کے بھڑکتے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر از حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی ص ۱۸۳۔

کے پیالوں کے درمیان حائل ہوگیا۔ پھر کیا تھا ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر کو اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں وہیں خشک ہوگئیں، شراب کے برتن توڑ دیئے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔[۱]" کیا یہ رسولِ انام کی تعلیم و تربیت اور آپ کی نظر کیمیا اثر کا فیض نہ تھا کہ عرب کے خونخوار و وحشی لوگ نیک نفس، معتدل مزاج اور قانونِ اخلاق و روحانیات کے تابع ہوگئے؟ فطرت و مزاج کی تصعید و ارتفاع کا نام ہی ذہنی تربیت ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ اُس باطنی کیفیت و ہیئت اور ملکۂ راسخہ کا نام ہے جس سے نفس میں اچھے کاموں کا شوق اور برے .... کاموں سے ضبط و اجتناب کی قوت و استعداد پیدا ہو جائے اور یہ کیفیت صحابۂ کرام کے اذہان و قلوب میں بدرجۂ اتم پیدا کر دی گئی تھی لہٰذا "اسلام کے ابتدائی تیس سال تک وہ لوگ مسلمانوں کی زندگی پر حاوی رہے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی اور صحبتِ نبوی کی انقلاب انگیزی اور کیمیا اثری کے باوجود برسہا برس ان کی ذہنی و اخلاقی تربیت کی گئی تھی، اُن کے دل و دماغ اور ان کی زندگی کے ہر گوشے میں جاہلیت اور اسلام کی کشمکش آخری طور پر ختم ہو چکی تھی اور صرف اسلام باقی رہ گیا تھا۔ وہ اسلام کی عملی تصویر تھے اور ان کا عہد حکومتِ الٰہی اور حیاتِ اسلامی کا مستند اور معیاری عہد تھا۔[۲]" عالمِ اسلام کے مشہور ترین عالمِ دین مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے

---

[۱] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر از حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی ص ۱۴۲-۱۴۳۔ صحابہ کرام کی سیرت و کردار کے لئے ص ۱۱۰ تا ۱۴۸ کا مطالعہ بھی کیا جائے۔

[۲] سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول ۲۰-۱۹ طبع بار سوم مصنف حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی دامت برکاتہم۔

صحابہؓ کی ذہنی تربیت کی نسبت حتمی طور پر جو کچھ فرمایا ہے وہ بقولِ پروفیسر خورشید احمد فارقی صاحب کیا محض "مصلحت آمیز عقیدت کے جوش میں" ہی ارقام فرمایا ہے؟ رہا سوال ان کے فرشتے اور معصوم من الخطا ہستیاں نہ ہونے کا تو یہ پروفیسر صاحب نے کوئی ایسا علمی انکشاف نہیں کیا جس میں جدت و ندرت ہو کیونکہ چودہ سو سال سے پوری امت مسلمہ کا مسلک اور طرز عمل یہی رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ماسوا کوئی شخص معصوم عن الخطاء اور عصیان سے مصئون و مامون نہیں ہوتا مگر اس سے صحابہؓ کے مرتبہ و مقام اور عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا ؎

ایں نہ عیب است کزیں عیب خلل خواہد بود
در بود عیب چہ شد مردم بے عیب کجاست

(یہ کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس سے کوئی خرابی واقع ہوگی اور اگر عیب ہے بھی تو کیا ہوا کہ بے عیب انسان کہاں ہے)

دراصل صحابہؓ کی ذہنی تربیت پر اشکال وارد کرنے سے پیشتر ایک لمحہ یہ بھی سوچنا چاہیئے تھا کہ اس اعتراض کا رشتہ دامنِ ذاتِ نبوی سے منسلک ہے ؏

دامن اور جیب میں رشتہ قریب کا

تاہم سب انسان یکساں نہیں ہوتے اس لئے سب صحابہ بھی یکساں نہ تھے۔

(باقی آئندہ)